اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۴، مسلسل شمارہ:۳۶۶، سال ۲۰۲۲ء

کشمیر پر اردو زبان وادب کے اثرات - مذہبی وثقافتی تناظر

انیس الرشید ہاشمی
ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ مطالعہ کشمیر
جامعہ آزاد جموں وکشمیر، مظفر آباد

IMPACTS OF URDU LANGUAGE ON KASHMIR
RELIGIOUS AND CULTURAL PERSPECTIVE

Aneesur Rasheed Hashmi
Research Associate, Deptt. of Kashmir Studies
University of AJK, Muzaffarabad

Abstract

Urdu language was introduced in Kashmir through Punjab. Chiefly, it was popularized by the traders who travelled across the sub-continent for commercial purposes. Soon Urdu became the lingua franca in Kashmir. The graduates from Aligarh Muslim University and other educational institutions situated out of Kashmir played very positive role as well in this regard. Urdu was declared official language of Kashmir back in 1889. After partition, again it was declared official language of Kashmir under article 145 of the constitution of State of Jammu and Kashmir. It remained so until autonomous status of the State was abrogated in 2019 by the Indian Government unilaterally. The article focuses impacts of Urdu language on Kashmir's religious and cultural composition.

Keywords:
Jammu and Kashmir, Urdu, Dogra Rule, Missionaries, Official Language

اردو زبان کا شمار جنوبی ایشیا کی ایک اہم اور بڑی زبان کے طور پر ہوتا ہے جس کی مقبولیت میں روز بہ روز برق رفتاری سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس وقت یہ پاکستان کی قومی زبان ہونے کے ساتھ ہندوستان کی اٹھارہ زبانوں میں سے ایک اہم زبان ہے جو پورے ہندوستان میں بولی، سمجھی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ اس زبان پر عربی اور فارسی کے گہرے اثرات ہیں لیکن اس کا شمار ہند آریائی زبان کے طور پر ہوتا ہے جو برصغیر میں ہی پیدا ہوئی اور یہیں اس کی ترقی ہوئی اور اسے عروج ملا۔ اگر رسم الخط کو ایک طرف رکھیں تو اردو زبان، ہندی کے اتنا قریب ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں ایک ہی ہیں جو بولنے کے لحاظ سے دنیا کی تیسری بڑی زبان کے طور پر شمار کی جاسکتی ہیں۔ اردو زبان کا تعلق ہند آریائی زبانوں سے ہے۔ ۱۸٦۷ء میں ہندو سماج کے مطالبے پر اردو ہندی تنازعے کے بعد ہندی کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر اپنایا گیا اس کے بعد اردو مسلمانوں کے لیے ایک مزاحمتی طاقت کے طور پر سامنے آئی۔(۱) اردو نے پورے برصغیر کے مسلمانوں کو نئی آواز دی اور ایک الگ شناخت دی، یہی وجہ تھی کہ روزنامہ **نوائے وقت** کے پہلے شمارے کے اداریے میں قائداعظم (۱۸۷٦۔۱۹۴۸ء) کا واضح پیغام طبع کیا گیا تھا:

> ”میں اردو کی خدمت کو قوم کی خدمت سمجھتا ہوں اگرچہ کہ ملکی زبان ہونے کی وجہ سے اردو بیک وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے برابری کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے لیکن کچھ عرصے سے بعض سیاسی مصلحتوں کے سبب اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان کہا جارہا ہے اس لیے مسلمانوں کی اس سلسلے میں ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے۔“(۲)

مغربی ہندوستان میں مسلمانوں کی شناختی علامت بننے کے ساتھ ہی ملحقہ علاقوں میں بھی اردو کی ترویج واشاعت ہونے لگی اور اردو کا کشمیر سے ایسا رشتہ بن گیا جو کشمیریوں کا پاکستان سے ہے۔ اردو زبان پنجاب ہی کے راستے کشمیر میں داخل ہوئی۔ ابتدائی طور پر اردو کو کشمیر میں لانے والے افراد دراصل وہ تاجر تھے جو برصغیر اور کشمیر کے درمیان تجارت کے لیے سفر کرتے رہتے تھے۔ بعد ازاں کشمیری تاجروں نے اردو زبان کو اولاً رابطے کی زبان (Lingua Franca) کے طور پر اختیار کیا لیکن جلد ہی وہ اردو سے اس قدر شناسا ہوگئے کہ اردو کی مٹھاس ان کے کشمیری اور پہاڑی لہجوں سے واضح ہونا شروع ہوگئی۔ اگرچہ کشمیر میں سنسکرت، فارسی، کشمیری اور پہاڑی سمیت متعدد زبانیں مستعمل تھیں لیکن جلد ہی اردو پوری ریاست میں ایک مشترکہ زبان کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ اردو اخبار **رنبیر** کے اجرا کے ساتھ ہی اردو کو رنبیر سنگھ

(۱۸۳۰۔۱۸۸۵ء) نے فروغ دینا شروع کیا اور ۱۸۹۸ء میں اردو کو ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جلد ہی اردو میں شعر و نثر قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر رواج پذیر ہو گیا اور سرکاری سکولوں میں تعلیم اردو زبان میں ہی دی جانے لگی۔ تقسیم برصغیر کے بعد جموں و کشمیر کے آئین کی دفعہ ۱۴۵ کے تحت مقبوضہ کشمیر میں اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی اور چوتھی جماعت سے لے کر میٹرک تک اردو کو ثانوی زبان قرار دیا گیا، سرکاری رپورٹیں اور اعلامیے اردو میں بہ طور خاص جاری کیے جاتے تھے۔ اردو زبان نے کشمیریوں کو پاکستانیوں اور پاکستان سے جوڑے رکھا، قرارداد الحاق پاکستان اس کی روشن دلیل ہے۔

برصغیر کے مغربی حصوں میں کثرت سے بولی جانے والی اردو زبان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قیام پاکستان کے بہت سے محرکات میں سے ایک اردو، ہندی تنازعہ بھی تھا۔ دوسرا امتیاز یہ بھی ہے کہ اس زبان کی بنیادیں اگرچہ دہلی اور لکھنؤ میں ہیں لیکن یہ زیادہ تر پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد اور کشمیر میں بولی جاتی تھی۔ کشمیر میں اردو کا سفر غیر ہند آریائی علاقے میں ترقی کر کے مواصلاتی ذریعہ بن گیا، یہاں تک کہ اردو مادری زبان کی جگہ لینے میں بھی کام یاب ہو گئی۔ یوں یہ سفر بلاشبہ دہلی اور لکھنؤ سے جس طرح پنجاب تک آیا تھا اسی طرح اردو نے کشمیر کو بھی تسخیر کر لیا، تاہم اس میں کچھ ایسے تاریخی واقعات بھی ہیں جو اردو کو کشمیر میں لانے کا سب سے کارگر ذریعہ ثابت ہوئے۔ ان میں سب سے پہلا امر افغان حکم ران تھے جو زیادہ تر پشتو یا اردو سے واقف تھے کیوں کہ جنوبی پنجاب کے شمالی علاقے اس وقت درانی حکم رانوں کے زیر سایہ تھے۔ جب افغان حکم رانوں کو کشمیر پر حکومت ملی تو انھوں نے اردو کو رابطے کی زبان کے طور پر استعمال کیا۔ موسم کے لحاظ سے کشمیر ایک سرد علاقہ ہے یہاں صرف چند ماہ ہی کاشت کاری ممکن ہے، دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کشمیری ستمبر و اکتوبر کے دوران مزدوری و تجارت کی غرض سے پنجاب کا رخ کرتے تھے، اسی طرح دست کاریوں مثلاً قالین اور شال وغیرہ کی فروخت کے لیے کشمیری کلکتہ، بمبئی، دہلی، آگرہ کا بھی رخ کرتے تھے۔ زبان سے واقفیت اس ضمن میں بنیادی عنصر تھا۔ کام یاب تجارت کے لیے کشمیریوں نے اردو سے اچھی واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اسی طرح پنجاب سے آنے والے سیاح، ہندو یاتری کشمیر کے استھاپنوں یعنی شیش ناگ، امرناتھ، ملہ ناگ، شاردا اور ہری پربت سمیت دیگر علاقوں میں سیاحت، اشنان، پوجا پاٹھ کرنے کے لیے آتے تھے۔ اسی طرح مسلم صوفیہ اور ان کے مریدین بھی مذہبی و روحانی عقیدت مندی کے پیش نظر کشمیر کا رخ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں عام آدمی بھی سیاحت کی غرض سے کشمیر آتا

تھا۔ مغل حکم رانوں کے بعد انگریز دور (۱۸۵۷۔۱۹۴۷ء) اور آج بھی سیاحت کے لیے کشمیر کا سفر اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ عوامل کشمیر میں اردو کی نمو میں نمایاں کردار کے حامل رہے ہیں۔

کشمیر میں اردو کی سب سے قدیم مثنوی جو زمیندارہ کالج گجرات کے پروفیسر احمد حسین قریشی (۱۹۲۳ء) کے کتب خانہ میں موجود ہے، چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر تیرہ اشعار ہیں۔ مثنوی کے آخر میں شاعر اور کاتب کا نام ہے اور سال تصنیف بھی ایک شعر میں درج ہے۔ حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰۔۱۹۴۶ء) اس قدیم ترین کلام کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''دہلی میں ابھی اردو دبستان قائم بھی نہیں ہوا ہے کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں لکھنی شروع کر دیتے ہیں۔ میرپور (کشمیر) کے شیخ غلام محی الدین مثنوی **گلزار فقیر** ۱۱۳۱ میں ختم کر دیتے ہیں''۔(۳)

دل چسپ بات ہے کہ یہ لوگ نہ تو ہندوستان گئے اور نہ ہی اردو دانوں کے تعلق میں رہے لیکن اردو میں تالیفات لکھ رہے ہیں اور فارسی انداز میں **مثنوی فقیر** کے آخری صفحہ پر شاعر اپنے بارے میں اور سن تالیف کے حوالے سے تین سو گیارہ برس قبل یعنی ۱۷۰۹ء میں یوں سخن طراز ہیں:

کلمہ پاک پر ختم کلام
نیک مبارک سعد تمام
غلام محی الدین ایک فقیر
جس کا حضرت آپ ہے پیر
اکتیس برس اور یاراں سو
ہجرت میں ہوئی تھی تو
پیغمبر پر اور آل کرام
لاکھ درود اور لاکھ سلام (۴)

اس مثنوی کے بارے میں حبیب کیفوی (۱۹۱۰۔۱۹۹۱ء) نے بہت عمدہ تحقیق کی ہے ان کے مطابق مثنوی کے خاتمہ کے بعد نثر میں یہ سطور درج ہیں:

> ''تمت تمام شد نسخہ من تصنیف حضرت میاں غلام محی الدین میرپوری کاتب فقیر حقیر امیدوار از رحمت پروردگار عنایت اللہ''۔(۵)

اس مثنوی کی زبان بہت پرانی ہے۔ جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بھی ابتدائی دور کے ہیں مثلاً جنھونیں بہ جائے جنھوں نے، کوں بہ جائے کو، سیں بہ جائے سے، راکھے بجائے رکھے، تھیا بہ جائے ہوا۔ ان الفاظ سے مثنوی کی قدامت کا پتا چلتا ہے۔ یہ اس دور کی یادگار ہے جب اردو ابھی گہوارے میں تھی۔ اس طرح میرپور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اردو کی پہلی تحریر کا مصنف میرپور کا رہنے والا تھا۔ میرپور کو اس اعتبار سے بہت اہمیت حاصل ہے کہ اس علاقے میں سب سے پہلے اردو کی مثنوی لکھی گئی اور اس خطے کے ایک اور بزرگ میاں محمد بخش (۱۸۳۰ـ۱۹۰۷ء) نے پنجابی میں **سیف الملوک** ایسی شہرہ آفاق کتاب لکھی۔ میاں محمد بخش کا کلام عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن ہے اور ان کے حکیمانہ اور صوفیانہ کلام پر سب سر دھنتے ہیں۔(۶) شاید اسی جیسی اور بھی کچھ تحریریں ہوں جو معدوم ہو چکی ہیں یا ابھی منظرِ عام پر نہیں آئی ہیں۔ بہ ہر حال یہ مثنوی اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ کشمیر میں ترویج اردو پنجاب کے راستے سے ہی ہوئی ہے۔

افغان دور (۱۷۵۲ـ۱۸۱۹ء) کے بعد سکھوں کی کشمیر میں آمد ہوئی اور سکھ اگرچہ پنجابی زبان میں زیادہ بات چیت کرتے تھے لیکن کشمیر میں پنجابی کی چھاپ بہت کم پڑی۔ ریاست کے بیالیس اضلاع میں سے صرف پانچ اضلاع میرپور، بھمبر، جموں، سانبہ اور کٹھوعہ میں سرحدی علاقوں میں ڈوگری آمیز پنجابی بولی جاتی ہے۔ فریڈرک ڈریو(Frederick Drew ۱۸۳۶ـ۱۸۹۱ء) نے اس نکتہ نظر کی وضاحت یوں کی ہے:

> ”قصبہ جموں میں عوام ڈوگری و پنجابی اور ہندوستانی یعنی اردو کو ملا جلا کر بولتے ہیں۔ مہاراجہ کے دربار میں شاید ہی کوئی اہل کار ڈوگری بولتا ہو البتہ گفت گو میں کوئی کوئی لفظ ڈوگری کا بول جاتا ہے۔ ہندوستان سے بہ سلسلہ ملازمت کشمیر آنے والے اردو بولتے ہیں اور مقامی لوگ اسے بہ خوبی سمجھتے ہیں۔“(۷)

ریاست کشمیر کا بہ راہ راست پنجاب سے الحاق، دربار لاہور آمد، اعلیٰ تعلیم کے لیے کشمیر سے پنجاب بھر کی دینی درس گاہوں اور مدارس میں طلبہ کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد جب یہ طلبہ برصغیر کے مختلف علاقوں خصوصاً پنجاب سے فارغ التحصیل ہوئے تو انھوں نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا۔ بعدازاں تختِ لاہور کے سب سے وفادار سپاہی جس نے بیع نامہ امرتسر کے ذریعے انگریزوں سے پچھتر لاکھ نانک شاہی میں کشمیر خریدا، اس کے دور میں اردو سے شغف کچھ اور زیادہ بڑھ گیا۔ ڈوگرہ دور میں گلاب سنگھ کی یہ شدید خواہش تھی کہ ڈوگری کو ریاستی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے لیکن یہ منصوبہ عملاً ناکام ہی رہا۔ ۱۸۵۵ء کے بعد اردو کی ترویج میں تین اہم واقعات ہوئے جن سے کشمیر میں اردو زبان کے فروغ کو زیادہ

تقویت ملی۔ سب پہلا بیع نامہ امر تسر ”دفعہ نمبر۶ کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی اور اپنے وارثوں کی طرف سے عہد کرتے ہیں کہ اگر کبھی برطانوی فوج ان کے مقبوضہ ملک کے ملحقہ علاقے یا کوہستان میں مصروف کار ہو گی تو وہ اپنی ساری فوج سمیت برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے“(۸)، کی روشنی میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کے لیے کشمیر سے بھاری فوج بھیجی تھی جب وہ لوگ باقاعدہ پنجاب سے دہلی تک انگریز فوج کے ساتھ جنگی محاذوں پر مصروف عمل تھے تو انگریز کی مقامی افواج کے ساتھ باہمی روابط کے لیے انھوں نے اردو کو ذریعہ گفتار بنایا۔ جنگ آزادی کے دوران کشمیری افواج کی پنجاب اور اس سے ملحقہ علاقوں میں مصروفیات سے ان کی پنجاب کے بازاروں اور تاجروں سے میل جول بڑھ گیا۔ یوں دونوں علاقوں میں باہمی تجارتی اور اقتصادی روابط کو مزید تقویت ملی۔

دوسرا اہم واقعہ ۱۸۶۰ء کے مابعد کا ہے جب کشمیر میں عیسائی مبلغین کی آمد ہوئی اور انھوں نے کشمیر میں عیسائیت کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے اردو میں باتصویر کارڈ، پمفلٹ اور خوب صورت کتابچے شائع کر کے مفت تقسیم کرنا شروع کیے۔ اس کے ساتھ جموں اور سری نگر میں مفت تعلیم کے لیے اسکول اور مفت علاج کے لیے شفاخانے بھی کھولے تاکہ مقامی لوگوں سے قریبی روابط استوار ہوں اور وہ اپنی تبلیغی سرگرمیاں بلا روک ٹوک جاری رکھ سکیں۔ کیفوی کے مطابق یہ عیسائی تبلیغی مشن اردو کے استعمال کو بہت مقدم رکھتے تھے جس کے تحت وہ اس علاقے میں مکمل طور پر مقیم ہونے کے بعد ان مشن اسکولوں کے ساتھ ہی گرجاگھروں کی تعمیر میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اس طرح ان اسکولوں، شفاخانوں اور گرجاگھروں میں وہ عیسائیت کی تبلیغ اور اپنی الہامی کتاب انجیل کی تلاوت کرتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ ۱۸۲۶ء میں ان اداروں میں مسیحی مبلغین کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ سرزمین کشمیر پر باقاعدہ طور پر کلیسا کی بنیاد رکھ کر مسیحی تبلیغی سرگرمیاں بڑے زور و شور سے شروع ہو گئیں۔(۹)

مسٹر چندر (۱۹۳۰-۱۹۵۵ء) جموں میں ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ کشمیر میں عیسائی مذہب کی تبلیغی مساعی کے تسلسل میں اولیں مشن کی کھوج لگاتے ہیں۔ ان کے مطابق جموں میں ۱۸۲۶ء میں سیال کوٹ سکاچ مشن کے ایک دین دار جس کا نام "وارث مسیح" تھا، کو پہلا مسیحی مبلغ قرار دیا جاتا ہے۔ وارث مسیح کے حالات زندگی کے بارے میں تاریخ خاموش ہے تاہم اتنا ضرور کہا جاتا ہے کہ وہ جموں کے

علاقے مناوی میں آیا تھا اور اس نے لوگوں کو مسیحی کلام سنانا شروع کیا تو اسے فوراً حکومت نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد دوسرا اہم نام بابو قاسم کا ہے جو گاہے بہ گاہے جموں میں آ کر مسیحیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ ان دنوں شری مہاراج بہادر رنبیر سنگھ صاحب حکم ران تھے۔ ۱۸۷۱ء میں لائننگ صاحب نے مشن سکول کے اجرا کے لیے مہاراجہ بہادر کی خدمت میں درخواست پیش کی جو نامنظور ہوئی۔(۱۰)

کشمیر اور ہندوستان سے تجارت کی غرض سے وسطی ایشیا جانے والے تاجر جن کی سری نگر اور کشمیر کی ملحقہ راہ داریوں سے آمد ورفت رہتی تھی وہ گلگت بلتستان، یا قراقرم پاس سے ختن، کاشغر، سمرقند اور بخارا کا سفر کرتے تھے۔ رنبیر سنگھ نے رام پور کے ایک شخص چوہدری شیر سنگھ کو وسطی ایشیا میں تجارتی و سیاسی تعلقات کے لیے سفارت کاری کی غرض سے بھیجا، جس نے واپسی پر ۱۵۰ صفحات پر مشتمل اپنے سفر کے حالات اور جائزہ مرتب کر کے بہ طور سفری رپورٹ پیش کی جو ڈوگرہ دور کی پہلی باقاعدہ بین الریاستی سرکاری رپورٹ تھی۔ یہ ڈوگرہ حکم رانوں کے توشہ خانے میں ایک صدی تک محفوظ رہی بعد ازاں اسے کلچرل اکیڈمی سری نگر کے سپرد کر دیا گیا۔(۱۱) کیفوی سمیت دیگر اکابرین عیسائی مشن کے ساتھ اردو کی ترویج کو منسوب کرتے ہیں لیکن کشمیر میں اردو مغلیہ دور سے ہی دکھائی دیتی ہے ونیو (۱۸۴۰۔۱۸۹۰ء) کی تحقیق کے مطابق روپہ بھوانی (۱۶۷۲۔۱۷۲۷ء) اردو شاعرہ تھی اس ضمن میں وہ بتاتے ہیں کہ روایتوں کے مطابق یہ خاتون ۱۶۷۲ء میں پیدا ہوئی تھی اور ۱۷۲۷ء میں عالم بقا کو سدھاری۔ اس کے مقولے کیشو بھٹ شاستری نے پہلے اور پھر ڈاکٹر شیوناتھ شرما نے ۱۹۵۰ء میں دیوناگری حروف تہجی میں شائع کیے۔(۱۲)

سب سے اہم محرک مذہبی عنصر ہی تھا جو کشمیری ثقافت میں رچ گیا اور ساتھ ہی عوام میں اسے بھرپور پذیرائی ملی۔ محمد یوسف ٹینگ (۱۹۳۵ء) کے مطابق اردو کشمیر میں تلوار اور تاج کے سائے میں نہیں آئی اور اس نے کبھی جبر واستبداد کے سہاروں کی طرف نظریں نہیں اٹھائیں۔ فارسی کے طویل غلبے کے تحت کشمیری زبان کا ایک ایسا مزاج بن گیا تھا جو اسے اردو کے ساتھ مصافحہ کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار کر چکا تھا۔ ہندوستان کے مراکز اقتدار سے تال میل اور خود کشمیر میں فارسی کے زوال اور اس کے مٹتے ہوئے رواج نے کشمیریوں کو ادب اردو سے

روشناس کر دیا۔ ان کا ہند وستان آنا جانا رہتا تھا اور جن مقامات مثلاً لاہور، دہلی، لکھنؤ، الہ آباد وغیرہ پر ان کا زیادہ آنا جانا رہتا تھا وہاں جو زبان پنپ رہی تھی وہ یہی اردو تھی جسے کسی دربار نے نہیں پالا پوسا تھا بل کہ عوام کی ضروریات کے نتیجے میں عجمی اور ہندوستانی تہذیب کے وصال کے نتیجے میں ہمارے نئے حکم ران اگرچہ درباروں میں فارسی کا سوانگ رچاتے رہے لیکن عوام سے میل جیل کے لیے اس نئی زبان کا استعمال کرنا پڑا۔(۱۳)

ایک اور عنصر جو زیادہ کارگر ثابت ہوا وہ دراصل بر صغیر خصوصاً لکھنؤ اور دہلی سے نقیب دربار میں متعین کیا جاتا تھا اس کے ساتھ پنجاب سے پڑھے لکھے لوگوں کو کشمیر میں ملازمتیں دی گئیں، جو اپنی زبان و ثقافت ساتھ لے کر آئے۔ وہ مقامی آبادی سے گفت گو اردو میں کرتے تھے، علوم ارضی و پیمائش کرہ ارض کے ماہر فریڈرک ڈریو جو بندوبست کے ابتدائی ڈھانچے کو تیار کرنے کے لیے کشمیر میں متعین تھے انھوں نے گلاب سنگھ کے دور حکومت میں اردو کے بارے میں یہ انکشاف کیا تھا کہ ہندوستان سے آنے والے ملازم لوگ بلاشبہ ہندوستانی یعنی اردو بولتے ہیں اور مقامی لوگ اسے سمجھ لیتے ہیں۔(۱۴)

کشمیر میں اردو کسی لشکر کشی، تیر و تلوار کے سائے یا کسی قسم کے جبر و استبداد سے نہیں بل کہ عوامی استقبال کے نتیجے میں فروغ پذیر ہوئی اور یوں حکام بھی اس زبان کو ایک خاص مقام دینے پر مجبور ہو گئے۔ ڈوگرہ دور کی ابتدا سے ہی عام کشمیری فارسی زبان کو بوجھ گرداننے لگے اس کی وجہ سابقہ ادوار کے حکم رانوں کی سنگ دلی تھی اور اردو کی جانب میلان کا محرک پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقے تھے، اردو عمومی طور پر باہمی رابطہ کار کی حیثیت سے رائج العام تھی۔ کشمیر میں اردو گہرے مذہبی اور ثقافتی اثرات کا ہی پیش خیمہ ہے۔ وقتاً فوقتاً اٹھنے والی مذہبی تحریکوں نے اردو کے چلن کے لیے ایک بہترین ماحول بنا دیا تھا۔ اسی پس منظر کے تناظر میں اردو فاتحانہ انداز میں بہت جلد سرکاری زبان کی شکل اختیار کر گئی اور کشمیریوں نے اسے بلا امتیاز خوش دلی سے قبول کر لیا۔ درج بالا بحث کا قیاس پروفیسر عبدالقادر سروری (۱۹۰۶۔۱۹۷۱ء) کی اس عبارت سے بہ طور دلیل یوں ثابت ہوتا ہے کہ اردو کے ریاست میں ابتدائی چلن کے سلسلے میں مذہبی تحریکوں کا حصہ رہا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں دلی میں وہابی تحریک کا غلغلہ تھا۔ یہ تحریک اپنے اصلاحی جوش

میں تحریک آزادی کا روپ اختیار کرنے لگی تھی اور اس کے حامیوں میں اردو کے کچھ ادیب اور صحافی بھی پیش پیش تھے۔ یہ تحریک پچھلی صدی کے اواخر میں کشمیر پہنچی اور اس کے ساتھ اس کا اردو میں لکھا ہوا لٹریچر بھی۔عیسائی مبلغوں نے کشمیر میں اردو زبان میں لکھے ہوئے عیسائی مذہبی ابتدائی موادسے ابتدا کی اور بعد میں کشمیر کا رخ کیا۔ احمدیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵۔۱۹۰۸ء) اردو میں مہارت رکھتے تھے اور ان کی کتابیں بھی کشمیر کے کچھ دانشوروں کے پاس پہنچ گئیں۔ مرزا کے پہلے خلیفہ نور الدین (۱۸۳۴۔۱۹۱۴ء)مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ایک معتمد مشیر تھے اور ان کی وجہ سے اردو کو خاصا سہارا ملا۔ سوامی دیا نند (۱۸۲۴۔۱۸۸۳ء)کی آریہ سماج تحریک بھی کشمیر میں اردو کے ذریعے ہی پہنچی اور یہاں کے کشمیری پنڈتوں نے اس کی طرف خاص رغبت دکھائی۔(۱۵)

اردو کشمیر میں بہت جلد ہی خاص و عام میں نہ صرف مقبول ہو گئی بل کہ اس زبان کے حوالے سے کشمیر میں کسی کو بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ اس کی سب سے بنیادی وجہ مذہبی رجحان ہے کیوں کہ بر صغیر میں اسلامی لٹریچر عربی اور فارسی سے کہیں زیادہ اردو میں آج کی طرح اس وقت بھی موجود تھا۔اسی لیے اردو زبان جب کشمیر میں داخل ہوئی تو وہ اجنبی زبان سے کہیں زیادہ مذہبی رنگ میں رنگتی چلی گئی۔اردو زبان کشمیر کے رنگ میں کیوں رنگی گئی اس کی ایک وجہ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ(۱۹۴۵ء) یوں بیان کرتے ہیں کہ فرہنگ آصفیہ ۱۸۹۲ءمیں تمام مندرجہ الفاظ کی تعداد ۵۴۰۰۹ بتائی گئی ہے ان میں عربی کے ۷۵۴۷اور فارسی کے ۶۰۴۱ الفاظ شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد ۱۳۶۱۵ ہے اور ان کا تناسب پچیس فی صد ہے"۔(۱۶)

یہاں ایک طرف تو مذہبی عنصر خاصا نمایاں ہے جب کہ دوسری طرف مذہبی داستان، شعری ادب شیریں سخنی اور عام فہمی۔ یہ وہ چار عمومی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے کشمیری اردو زبان کی طرف جلد مائل ہوئے اور اسے باقاعدہ مادری زبان کے لگ بھگ اہمیت دینے لگے۔ ڈاکٹر نذیر احمد ملک (۱۹۲۹۔۱۹۷۲ء) کے مطابق اردو کی طرف یہاں کے لوگوں کی زیادہ دل چسپی کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس میں مذہبی داستانوں اور شعری ادب کا اچھا خاصا سرمایہ تھا،

اس طرح یہاں کے لوگ اردو کے بہت قریب آ گئے اور یہاں کے شعرا اپنے کلام میں اردو کے پورے پورے مصرعے لکھ دیتے تھے۔(۱۷)

جموں وکشمیر میں اردو زبان وادب پر لکھی گئی کچھ اہم کتابوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔اس سلسلے میں پنڈت دیوان شیو ناتھ کول نظر کا لکھا ہوا ایک شہر آشوب **شکوہ چرخ** ملتا ہے۔وہ حافظ سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں،اور خود مہاراجہ رنبیر سنگھ ان کے قدر دان تھے۔(۱۸) برصغیر میں اردو پر چھایا جانے والا مذہبی رنگ کشمیر میں بہت جلد منظر عام پر چھا گیا۔جموں اور وادی میں جگہ جگہ بڑے اہتمام سے مجالس منعقد کی جاتی تھیں اور اس میں مرثیہ نگاروں کو مدعو کر کے ان سے پر سوز مرثیے سنے جاتے تھے، بہ ایں وجوہ لکھنؤ کے مرثیہ نگار وں کی کشمیر میں بہت قدر اور مانگ تھی۔اس حوالے سے پروفیسر سروری کے مطابق یہ مجلسیں جموں اور کشمیر میں بڑے اہتمام اور سلیقہ سے منعقد کی جاتی تھیں اور ان میں مرثیہ پڑھنے اور سوز خوانی کے لیے خاص طور پر لکھنؤ سے شاعر اور ذاکر مدعو کیے جاتے تھے۔یہ مجلسیں خانقاہ پیر مٹھاس میں منعقد ہوتی تھیں اور شہر کے سارے پڑھے لکھے لوگ اور شعرو ادب کا ذوق رکھنے والے ہندو،مسلم اور سکھ حضرات ان میں شرکت کرتے اور نہایت خوش گوار تاثر ساتھ لے کر جاتے تھے۔محرم میں پہلے دس دن تک یہ مجلسیں جاری رہتیں ان مجلسوں کا جو اثر لوگوں پر پڑتا وہ مذہبی سے زیادہ شعری و ادبی ہوتا چناں چہ مرثیہ کے بند، شعر اور مصرعے زبان زد عام ہو جاتے تھے، یہ تاثر، صلاحیت رکھنے والے اصحاب کو خود شعر کہنے پر ابھارتا تھا۔(۱۹)

اردو اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ کشمیر میں نفوذ پذیر ہو چکی تھی۔قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کے ساتھ مرثیہ نگاری بھی عروج پر تھی ساتھ ہی غزل ونظم پر بھی کام ہو رہا تھا، مضمون نویسی کی صنف بھی کشمیر میں پروان چڑھنے والے اردو ادب میں شامل ہو چکی تھی، اس کے ساتھ ناول، ڈرامے اور بالخصوص فن افسانہ نگاری کی ایک شان دار اور مستحکم روایت رہی ہے۔ جموں وکشمیر میں ایسے افسانہ نگار بھی منظر عام پر آئے ہیں جنھوں نے اس صنف میں قومی سطح کے ادبی منظر نامے پر ایک گہری چھاپ قائم کی ہے جن میں محمد دین فوق(۱۸۷۷۔۱۹۴۵ء)، پریم ناتھ پردیسی(۱۹۰۹۔۱۹٦۵ء)، پریم ناتھ در، تیرتھ کاشمیری، سوم ناتھ زتشی، علی محمد لون

(پ:۱۹۲۶ء)، **قدرت اللہ شہاب** (۱۹۱۷۔۱۹۸۶ء)، ٹھاکر پونچھی (۱۹۲۲۔۱۹۷۴ء)، پشکر ناتھ (پ:۱۹۳۲ء)، نور شاہ (پ:۱۹۳۶ء)، حامد کاشمیری (۱۹۳۲۔۲۰۱۸ء)، سریندر پٹھواری (۱۹۳۰۔۲۰۰۲ء)، آنند لہر (۱۹۵۱۔۲۰۱۸ء)، دیپک بدکی (و:۱۹۵۰ء)، وحشی سعید، غلام نبی شاہد (۱۹۶۵۔۲۰۱۹ء)، ترنم ریاض (۱۹۶۳۔۲۰۲۱ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ عرفان رشید (۱۹۷۰ء) **کشمیر کے معاصر اردو افسانے** میں بتاتے ہیں کہ آج ہم ریاست جموں وکشمیر میں اردو افسانے کی بات کرتے ہیں تو پریم ناتھ پردیسی کا نام سامنے آتا ہے شاید اس لیے کہ ریاست میں اردو افسانے کی باقاعدہ ابتدا پردیسی سے ہوئی اگرچہ ان سے پہلے بھی کئی افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے لیکن پردیسی کے افسانوں کی اہمیت اور انفرادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقسیم ملک سے پہلے اور تقسیم ملک کے بعد بھی ان کے افسانے معیاری جرائد میں شائع ہوتے رہے۔۔۔ پردیسی کے تین افسانوی مجموعے **شام وسحر**، **دنیا ہماری** اور **بہتے چراغ** شائع ہوچکے ہیں۔(۲۰)

بلاشبہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں فارسی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے عروج پر تھی لیکن اس دور میں کشمیر میں باقاعدہ اردو کا آغاز و ارتقا ہوچکا تھا، یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اردو اس وقت عوامی زبان بن چکی تھی اور اسے عوام کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔جموں میں بے شمار ایسے سرکاری اشتہارات اور دوسری تحریریں موجود ہیں جو مہاراجہ گلاب سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں عوام کی اطلاع کے لیے سرکاری دفاتر سے جاری ہوا کرتی تھیں اور جن کی زبان یہی اردو تھی۔(۲۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی معاہدہ امرتسر کی روشنی میں کشمیر سے برطانوی افواج کی مدد کے لیے جانے والی فوج کی ایک بڑی تعداد دلی میں کافی عرصہ مقیم رہی اور وہاں اس نے اردو بھی سیکھی لیکن یہ لسانی اخذ و قبول ایک خاص درجے تک ہی محدود رہا۔ اردو کے رواج عام میں ایک نئی جہت نے یعنی رام لیلا اور راس لیلا میلوں اور محافل موسیقی نے بھی اہم کردار ادا کیا۔گلاب سنگھ کے عہد میں موسیقی میں ایک اور نیا عنصر داخل ہو اور یہ عوام پسند عنصر تھا۔پہاڑی سارنگی نواز جن تک اردو غزلوں اور گیتوں کی لے پہنچ چکی تھی وہ گھوم گھوم کر عوام کو سناتے پھرتے تھے۔ جموں اور کشمیر میں دونوں اصناف بہت مقبول ہوگئی تھیں عوام ان گیتوں اور غزلوں کو سننے کے

بعد انھیں ذوق و شوق سے گنگناتے رہتے تھے۔ جموں میں اور کسی حد تک کشمیر میں بھی راس لیلا اور رام لیلا کے تماشے ہونے لگے تھے۔ یہ تماشا کرنے والے ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے۔ جموں وکشمیر میں بھی آتے تھے۔ یہ تماشے بہت مقبول تھے اور ان کے گانے خاص طور پر لوگوں کی زبان زد عام ہو جاتے تھے۔(۲۲)

الغرض کشمیر بھر میں اردو زبان یوں مقبول ہوئی کہ دلی اور لکھنؤ کے بعد اردو کا تیسرا بڑا مرکز کشمیر بن گیا۔ کشمیری شعرا محمود گامی (۱۷۶۵۔۱۸۵۵ء)، پرمانند (۱۸۷۶۔۱۹۴۷ء)، مقبول شاہ کرالہ واری (۱۸۲۰۔۱۸۷۷ء)، ناظم وغیرہ کے کلام میں اس قسم کے ریختے نظر آتے ہیں۔ خاص کر شیو نرائن بھان عاصی (۱۸۶۰۔۱۹۳۰ء) جنھیں مرتبین **گلشن بہار کشمیر** نے کشمیر میں اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ کشمیری ادیب اردو زبان کے حوالے سے یہ مانتے ہیں کہ پنڈت شیو نرائن، بھان صاحب، خلف اکبر پنڈت، سروپ نرائن بھان (۱۸۵۶۔۱۹۱۵ء) اور عاصی کشمیر میں اولین اردو شاعروں میں سے ہیں۔ وہ جموں میں ہیڈ ماسٹر اور اس کے بعد کشمیر میں انسپکٹر مدارس رہے۔(۲۳)

رنبیر سنگھ کے دور میں دارالترجمہ کا قیام اردو کی ترقی کا سب سے بڑا پیش خیمہ تھا۔ اس کے ساتھ بدیا بلاس پریس کا قیام اور ہفتہ وار **بدیا بلاس** اخبار کا اجرا اردو کی ترقی کی طرف ایک ٹھوس اور مثبت قدم تھا۔ "بدیا بلاس پریس "کے مالک پنڈت بنکٹ رام شاستری اور پنڈت کھوجو شاہ اور اس کے پہلے مدیر گوپی ناتھ گرٹو کی کاوشوں سے یہ اخبار ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا رہا اور ہفت روزہ شائع ہونے والے اس اخبار کو سب سرکاری اخبار کا نام دیتے تھے، جس سے یہ تاثر بالکل واضح ہوتا ہے کہ رنبیر سنگھ سرکاری امور و احکام کی ترویج واشاعت اردو زبان میں کرتے تھے۔ بہ ہر حال **بدیا بلاس** نے ریاست بھر میں اردو زبان کی طرح تو ڈال دی اور کچھ ہی عرصے کے بعد مل راج صراف کو ہفتہ وار اخبار **رنبیر** کے اجرا کے حوالے سے باقاعدہ اجازت ملتے ہی کشمیر کے سماجی حالات میں ایک ہمہ گیر تبدیلی واقع ہوئی۔ ایک تو اخبار اردو زبان میں ہر گھر کی زینت بن گئے اور ساتھ ہی ساتھ کشمیر کے پنجاب اور دیگر ملحقہ علاقوں اور مسلم اکثریتی موضعات سے بلا واسطہ تعلق بن گیا۔ چند سالوں میں **رنبیر** کے ساتھ **ترجمان، چاند، سچ، خورشید، سندیش، صادق، صداقت، وتستا، حقیقت، مارتنڈ، جہانگیر، خالد، ہمدرد،**

ملت، خدمت، دیش اور **البرق** وغیرہ جیسے درجنوں اخبارات و رسائل ریاست بھر میں شائع اور مقبول ہونے لگے جن کی باقاعدہ حکومتی سرپرستی کی جاتی تھی۔ اس ضمن میں جی ایم ڈی صوفی یوں رقم طراز ہیں:

> "Raja Hari Sing (the then senior and foreign member of the State Council) gave a donation of Rs. 50/- per year to this pioneer enterprises viz the Ranbir of Jammu. This is the genius of Journalism in the State of Jammu and Kashmir in the regime of Maharaja Pratap Singh. For seven years, the Ranbir was the only Newspaper of the State".(24)

مہاراجہ رنبیر سنگھ کا دوسرا عظیم الشان کارنامہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ تاریخ کشمیر کو مدون کروانا تھا۔ اس مقصد کے لیے پنڈت ہرگوپال خستہ نے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ انھوں نے ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ **گلدستہ کشمیر** کے عنوان سے مرتب کی۔ اردو زبان ڈوگرہ حکم رانوں کو بھی اس قدر بھا گئی تھی کہ رنبیر سنگھ نے تخت نشینی کے ساتھ ہی اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا تھا۔ محمد یوسف ٹینگ کے مطابق مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے اپنی تخت نشینی یعنی ۱۸۸۵ء میں اردو کو سرکاری زبان درجہ دیا۔(۲۵)

یہ وہی دور تھا جب تحریک پاکستان عروج پر تھی اور ہندو سماج کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ تحریک پاکستان نہیں بل کہ یہ اردو کی تحریک ہے اس کے رد عمل میں ایک طرف تو اردو سے والہانہ محبت اور عقیدت مسلمانوں کے دلوں میں بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف اردو انقلابی زبان کے طور پر چھا رہی تھی۔ اردو زبان کی یہ انقلابیت جس کی روح کو اقبال اور دیگر مسلم شعرا نے عروج بخشا، کشمیر میں بھی اردو زبان بہ طور آلہ حریت، انقلابیت اور جدیدیت میں پیچھے نہ رہی۔ ۱۹۲۴ء کے بعد اردو کی کشمیر میں ناگزیریت کا اجتماعی احساس پیدا ہوا۔ یہ زمانہ تحریک حریت کشمیر کے شباب کا تھا۔ اس زمانے میں کشمیر سے پہلا اردو اخبار پنڈت پریم ناتھ بزاز (۱۹۰۰۔۱۹۸۴ء) نے **وتستا** کے نام سے جاری کیا۔ اس زمانے میں پنڈت نند لال طالب، شہ زور کاشمیری، پریم ناتھ

پردیسی، میر غلام رسول ناز کی(۱۹۱۰۔۱۹۹۸ء)، سدیشور ورما وغیرہ شعرا ابھرے۔ تحریک آزادی کا تمام مواد اردو ہی میں شائع ہوتا تھا۔ نیشنل کانفرنس نے اپنی انقلابی تحریک نیا کشمیر کا دستور اردو زبان میں مرتب کیا اور اس کی دفعہ ۴۸ میں اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ ریاست کی قومی زبان اردو ہو گی۔(۲۶)

مزید بر آں تحریک حریت کشمیر کے روح رواں شیخ محمد عبداللہ (۱۹۰۵۔۱۹۸۲ء) نے جامع مسجد سری نگر میں اپنی پہلی تقریر کا آغاز اردو کے معروف شاعر آغا حشر کاشمیری کے اس شعر سے کیا:

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے(۲۷)

شیخ عبداللہ کمال کے خطیب تھے۔ جب ان کی تقاریر میں اردو زبان کی شاعری بالخصوص علامہ اقبال کی نظمیں آجاتیں تو وہ ان کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کے جذبات میں ہل چل پیدا کر دیتے اور سامعین کے دلوں میں جذبہ حریت اور انقلابیت کا تلاطم خیز طوفان برپا ہو جاتا۔ شیخ صاحب خود بھی اردو کے بڑے قدردان تھے۔ تحریک حریت اور انقلاب کشمیر میں اردو زبان کے کردار کی عکاسی انھوں نے اردو کانفرنس میں یوں کی کہ اعتراف احسان کے طور پر میں یہ عرض کرنا بر محل سمجھتا ہوں کہ ریاست کی تحریک آزادی کے خدوخال اسی زبان (اردو) کی مشاطگی کے مرہون منت رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ بھول جانا ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری آزادی کی تحریک میں اس زبان کا ایک زبردست کردار رہا ہے جس کا انکار احسان نا شناسی ہو گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری تحریک کی سب سے پہلی ترجمانی اردو زبان کے ایک اخبار روزنامہ **انقلاب** لاہور نے کی۔(۲۸)

اردو کا تحریک حریت کشمیر اور کشمیریوں سے بہت گہرا رشتہ رہا ہے۔ اردو زبان نے ان دو اکائیوں کو ایک وحدت میں پرو دیا ہے،یوں کشمیر اور پاکستان ایک جان دو قلب بن گئے۔ اردو نے جس قدر سرعت رفتاری سے کشمیریوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کیا ہے وہ مقام اور رتبہ کسی اور زبان کو کشمیر میں حاصل نہیں ہے۔ اردو کے بڑھتے ہوئے اثرات کے تناظر میں سیدین کمیٹی کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے ہری سنگھ(۱۸۹۵۔۱۹۶۱ء) نے ۱۹۴۰ء میں ریاست بھر کے سکولوں میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا مزید بر آں جب تقسیم ہند کے پُر آشوب دور میں

اردو کو ایک خاص گروہ کی زبان قرار دے کر پورے ہندوستان میں کہیں نہ ٹکنے دیا گیا تھا تو یہ ریاست جموں وکشمیر ہی تھی جس نے اردو کو سرکاری و قومی زبان کے طور پر ماتھے کا جھومر بنایا۔ چناں چہ جموں و کشمیر ریاست کے آئین کی دفعہ ۱۴۵ کے تحت کشمیر کی سرکاری زبان اردو کو ہی قرار دیا گیا۔۱۹۴۷ء کے بعد اردو زبان کشمیری ادیبوں اور شاعروں کی زبان بن گئی اب اس میں انقلابیت، جدیدیت اور فلسفہ حریت کی روح بھی شامل ہو گئی تھی۔ اردو زبان نے پوری ریاست میں ایک مشترکہ زبان کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ کشمیریوں نے اردو کو اپنی تعلیم، تبلیغ اور ابلاغ کے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا۔ کشمیریوں نے اردو زبان میں شاعری نثر، حمد، نعت، ترجمہ اور قرآن پاک کی تفسیر میں بہت کام کیا اور احادیث اور اسکولوں کو اردو زبان میں پڑھایا جانے لگا۔

اردو زبان نے کشمیر پر گہرے ثقافتی اثرات مرتب کیے، یوں پاکستان اور کشمیر میں ایک مکمل مذہبی، ثقافتی، ادبی اور سب سے بڑھ کر سماجی ہم آہنگی نظر آ رہی ہے جس کا تسلسل اردو نے ہی بر قرار رکھا ہوا ہے۔ پاکستان کا کشمیر کے ساتھ جغرافیائی، نظریاتی اساسوں پر ایک ہونا اپنی جگہ لیکن اردو کی وجہ سے دونوں خطوں میں یکساں مذہبی، لسانی، تہذیبی، معاشرتی اور ادبی اثرات نے کشمیریوں کا پاکستان کے ساتھ اور پاکستان کا کشمیریوں کے ساتھ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر کر دیا ہے۔ درحقیقت، اردو نے کشمیریوں اور پاکستانیوں کے درمیان اتحاد کا کام کیا جس کی دلیل کشمیریوں کی طرف سے پاکستان کے ساتھ الحاق کی قرارداد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو مسلم کانفرنس کی طرف سے پیش کی جانے والی قراردادالحاق پاکستان ہی دراصل اردو کے کشمیر پر مذہبی، لسانی، تہذیبی، معاشرتی اور ثقافتی اثرات کی اصل عکاس ہے جس کی یہ دولت دونوں خطوں میں لازوال مراسم اور رشتے استوار ہوئے ہیں۔ پانچ اگست ۲۰۱۹ء کے ہندوستانی اقدام کے تحت ایک طرف ریاست کی خصوصی حیثیت کو آرٹیکل ۳۷۰ اور ۳۵ اے کے خاتمے کے ذریعے مسمار کر دیا گیا اور ساتھ ہی کشمیریوں سے اردو کو بھی چھین لیا گیا۔ لیکن کشمیریوں کے دلوں میں پائی جانے والی پاکستان اور اہل پاکستان کے لیے قربتیں اور محبتیں، معاشرتی، ثقافتی اثرات اور مذہبی ہم آہنگی کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(1) Christopher R. King. "Chapter V: The Hindi-Nagari movement". One language, two scripts. Oxford University Press. 1994. p. 155.

(۲) پندرہ روزہ "نوائے وقت، (لاہور۔ 23 مارچ، ۱۹۴۰ء)۔

(۳) محمود شیرانی، حافظ۔ مقالات حافظ محمود شیرانی۔ (جلد نمبر۲)۔ (لاہور: مجلس ترقی ادب۔۱۹۸۷ء)،۸۲۔

(۴) ایضاً،۲۳۔

(۵) ایضاً،۳۶۔

(۶) کیفوی، حبیب۔کشمیر میں اردو۔(لاہور: مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ ۱۹۷۹ء)،۲۱۔

(7) Drew, Sir Fredric. The Jammu and Kashmir Territories, (Lahore: Cosmo Printers, 1985). P. 242

(۸) عباسی، محمد سرور۔ کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی۔(آزاد کشمیر: ادارہ مطالعہ کشمیر، جامعہ آزاد کشمیر۔ ۱۹۹۲ء)،۱۷۔

(۹) کیفوی، حبیب۔ کشمیر میں اردو،(لاہور: مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ،۱۹۷۹ء)،۲۲۔

(۱۰) چندر، ہری سنگھ۔تواریخ کلیسائے جموں۔(بحوالہ حبیب کیفوی)، (سری نگر: جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی سری نگر۔۱۹۷۹ء)،۸۱۱۔

(۱۱) کیفوی، حبیب۔ کشمیر میں اردو۔۸۱۔

(۱۲) ونپو، اقبال ناتھ۔کشمیر میں اردو زبان کی شروعات۔ (ہمارا ادب)۔ سری نگر: شیرازہ، انتخاب نمبر۔ ۱۹۷۹ء،۲۲۳۔۲۲۴۔

(۱۳) ٹینگ، محمد یوسف۔ کشمیری زبان اور اردو۔ مشمولہ ہمارا ادب، (سری نگر: کلچرل اکیڈمی،۱۹۶۷ء)، ۵۴۔۵۵۔

(۱۴) اعظمی، ڈاکٹر منظر۔ جموں وکشمیر میں اردو ادب کی تاریخ۔ ماہنامہ تعمیر۔ (جموں وکشمیر اردو ادب نمبر، محکمہ اطلاعات،۱۹۸۳ء)،۱۱۔

(۱۵) سروری، پروفیسر عبدالقادر۔کشمیر میں اردو (جلد دوم)۔(سری نگر: جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز،۱۹۲۸ء)،۲۶۔

(۱۶) بیگ، ڈاکٹر مرزا خلیل۔اردو کی لسانی تشکیل۔(علی گڑھ: فیصل والا سر سید نگر،۱۹۸۵ء)،۳۶۔

(۱۷) ملک، ڈاکٹر نذیر احمد۔کشمیر میں اردو...... ایک لسانیاتی جائزہ۔ رسالہ تعمیر۔(سری نگر: جموں و کشمیر اردو ادب نمبر۔۱۹۹۰ء)،۴۱۱۔

(۱۸) گنائی، محمد یاسین۔جموں وکشمیر میں مرثیہ نگاری کی روایت۔ماہنامہ آج کل، نئی دہلی: اکتوبر ۲۰۲۰ء)،۲۲۔

(۱۹) سروری، پروفیسر عبدالقادر۔کشمیر میں اردو، (حصہ دوئم)۔ (سری نگر: کلچرل اکیڈمی سری نگر، ۱۹۲۸ء)،۱۳۷۔۱۳۹۔

(۲۰) رشید، عرفان۔کشمیر کا معاصر اردو افسانہ۔ماہنامہ آج کل، نئی دہلی: نومبر ۲۰۲۰ء،۱۰۵۔

(21) Encyclopedia Britannica, Vol. 10. (15th Edition), 1992, P. 655

(۲۲) ظہور الدین، جموں میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء۔مشمولہ رسالہ تعمیر۔(سری نگر: جموں وکشمیر اردو ادب نمبر،۱۹۸۳ء)،۲۴۔

(۲۳) بخاری، سید یوسف۔ کشمیر اور اردو زبان کا تقابلی جائزہ۔(لاہور: شعبہ کشمیریات، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔۱۹۸۴ء)،۱۰۵۔

(24) Dr. GMD Sufi. Kashir. Vol.2. (Lahore: Punjab University). 1948. P. 81

(۲۵) ٹینگ، محمد یوسف۔جموں وکشمیر میں اردو۔ماہنامہ آج کل، اردو نمبر۔ (دہلی: اگست / ستمبر ۱۹۷۳ء)،۷۹۔

(۲۶) سروری، عبدالقادر۔کشمیر میں اردو (جلد دوم)۔(سری نگر: جموں وکشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز۔۱۹۸۲ء)،۱۳۷۔۱۳۹۔

(۲۷) ظہیر، سجاد۔ مضامین سجاد ظہیر۔(لکھنؤ: اتر پر دیش، اردو اکاڈمی۔۱۹۷۹ء)،۲۵۔

(۲۸) محمد عبداللہ۔افتتاحی تقریر، اردو کانفرنس جموں۔ سری نگر: مشمولہ شیرازہ۔اردو کانفرنس نمبر۔۱۹۸۱ء،۱۲۔

BIBLIOGRAPHY

- Abbasi Muhammad Sarwar, *Kashmirī Musalmanon̠ ki Jidd-o-Jehad-i Āzadi*, (Azad Kashmir: Department of Kashmir Studies, University of Azad Kashmir, 1992)
- Azami, Dr Manzar, *Jammu-o-Kashmir Men̠ Urdū Adab ki Tarīkh*, (Incl.) Ta'mir. (Jammu & Kashmir Urdu Adab Number, Department of Information, 1983)
- Beg, Dr Mirza Khalil, *Urdū ki Lisānī Tashkīl*, (Aligarh: Faisalwala Sir Syed Nagar, 1985)
- Bukhari, Syed Yousuf, *Kashmir aur Urdū Zabān ka Taqabulī Jaiza*. (Lahore: Department of Kashmir Studies, University of the Punjab, Lahore
- Christopher R. King, Chapter v: *The Hindi-Nagari Movement. One Language Two Scripts*. (Oxford University Press. 1994)
- Dr. GMD Sufi, Kashir. vol.2, (Lahore: University of the Punjab, 1948)
- Drew, Sir Fredric, *The Jammu & Kashmir Territories* (Lahore: Cosmo Printers, 1985)

- Ginai, Muhammad Yasin, *Jammu-o-Kashmir Meṉ Marsia Nigarī ki Rivayat*, Monthly *Aaj Kal*, (New Delhi: October 2020)
- Hafiz Mahmood Shirani, vol.2, (Lahore: Majlis Taraqqi-e Adab, 1987)
- Kaifvi, Habib, *Kashmīr Meṉ Urdū.* (Lahore: Markzi Urdu Board, Gulberg 1979)
- Malik, Dr Nazir Ahmad, *Kashmīr Meṉ Urdū-Ayk Lisānyāti Jaiza*, (Incl.) Ta'mir, (Srinagar: Jammu-o-Kashmir Urdu Adab Number, 1990)
- Muhammad Abdullah, Opening Speech, Urdu Conference Jammu, Srinagar: (Incl.) *Shirāza*, Urdu Conference Number, 1981)
- Rashid, Irfan, Kashmīr ka Muaṣir Urdū Afsana, Monthly *Aaj Kal* , (New Delhi: November 2020)
- Sarwari, Prof. Abdul Qadir, *Kashmir meṉ Urdū*, vol.2 (Srinagar: Jammu & Kashmir Academy of Art, Culture & Languages, 1928)
- Taing, Muhammad Yousuf, *Kashmirī Zabān aur Urdū*, (Incl.) Hamara Adab(Srinagar: Cultural Academy, 1967)
- Vanpu, Iqbal Nath, *Kashmīr Meṉ Urdū Zabān ki Shuru'āt*, (Incl.) Hamara Adab, (Srinagar: Shiraza, 1979)
- Zaheer, Sajjad, *Mazāmīn Sajjad Zahīr*, (Lakhnau: UP Urdu Academy, 1979)
- Zahooruddin, *Jammu meṉ Urdū Zabān-o-Adab ka Irtiqā*, (Incl.) Ta'mir, (Srinagar: Jammu & Kashmir Urdu Adab Number 1983)

❖❖❖